© rasailojaraid.com

کہا کرتے تھے۔ نیز مولانا ابوالکلام آزاد علامہ مفتی کفایت اللہ وغیرہم سے بھی عقیدتمندانہ خلوص رکھتے تھے۔

نواب شجاع الدین احمد خاں تاباںؔ اور نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ دونوں بھائی حکیم صاحب کی مجلسوں میں ان کے دولت خانے پر بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اکثر سفروں میں ساتھ رہتے تھے ایک مرتبہ حیدرآباد کے سفر میں بھی ساتھ تھے اور وہاں بھی دلچسپ ادبی مشغلہ رہتا تھا

حیدرآباد سے واپسی کے بعد حکیم صاحب ۱۹۱۲ء میں سخت بیمار ہوئے قدرے افاقہ ہونے کے بعد تبدیل آب وہوا کی غرض سے ادکھلے میں قیام تجویز ہوا۔ دوران قیام میں نواب شجاع الدین احمد خاں تاباںؔ اور نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ اور میر باقر علی داستان گو اور حافظ احمد خاں استاد شطرنج وغیرہ احباب ومصاحبین کا زیادہ وقت ادکھلے ہی میں گذرتا تھا۔ یہ کبھی علیحدہ علیحدہ آتے تھے اور کبھی سب جمع ہو جاتے تھے۔ اجتماعی صحبت بہت پر لطف ہوتی تھی۔ سائلؔ صاحب جیسے قادرالکلام اور مشہور زمانہ شخص کا یہ حال تھا کہ اس صحبت میں پہنچکر دنیا ومافیہا کو بھول جاتے تھے۔ تاباںؔ صاحب وسائلؔ صاحب دونوں بھائی طویل القامت بھاری بھرکم اور نہایت خوبصورت بزرگ تھے۔ سائلؔ صاحب اپنے بھائی کا بیحد احترام کرتے تھے اور اپنے باپ کی جگہ سمجھتے تھے۔ تاباںؔ صاحب داغؔ صاحب کے کلام کو بازاری کلام کہتے تھے اور ان کے کلام کی تعریف سے بہت چڑھ جاتے تھے۔ حکیم صاحب گاہے گاہے اپنی مجلس میں یہ لطیف مذاق اس طرح کیا کرتے تھے کہ کسی دوسرے شخص کو اشارہ کر دیتے تھے جو مجلس میں اس وقت تک داغؔ کے کلام کی تعریف کرتا جب تک تاباںؔ صاحب مشتعل نہ ہو جاتے بالعموم آداب مجلس کا لحاظ رکھتے تھے مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ مشتعل ہوجانے کی صورت میں پھر کسی کا احترام ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ جو منھ میں آتا برملا کہتے تھے جس وقت یہ جنگ تاباں اور سائل دونوں بوڑھے بھائیوں میں واقع ہوتی تھی تو طاقت بشری کا کام نہ تھا کہ ہنسی کو ضبط کرسکے۔ ایک روز اوکھلے میں دونوں بھائی موجود تھے دیگر اراکین محفل بھی جمع ہوگئے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر تک مجلس مشاعرہ گرم رہی۔ احباب کی جانب سے ان کے بہترین طرز ادا اور معنوی نزاکتوں پر داد سخنوری دی جا رہی تھی۔ اسی دوران میں حکیم صاحب نے جناب سائل کو اشارہ کیا۔ وہ دو زانو ہو بیٹھے اور داغ کا کچھ کلام پڑھ کر مافوق العادۃ الفاظ میں تعریف کرنی شروع کر دی۔ اس پر تاباں صاحب کا پارہ چڑھنا شروع ہوا۔ پھر سائل صاحب نے تاباں صاحب کی طرف رخ کر کے عرض کیا کہ بھائی صاحب شعر کہنا کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جناب داغ نازک خیالی اور جذبات آفرینی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور قادر الکلام بھی ایسے تھے کہ ایک گھنٹہ میں پچاس شعر بلا تکلف قلم برداشتہ لکھ جاتے تھے۔ ان کے مقابلے میں آج کل کی شاعری بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہے بھلا تاباں میں اتنی تاب کہاں تھی غیظ و غضب کے ساتھ کہنے لگے ابے اس کو اور تجھ کو شعر کہنے اور سمجھنے کی لیاقت ہی کیا ہے کیا قلم برداشتہ لکھنا ہی معیار سخندانی ہے اگر یہی ہے تو مصرع کہو! جناب سائل نے ادب کے ساتھ مصرع دیا جس کو سنتے ہی ادنیٰ تامل کے ساتھ تاباں صاحب نے یہ شعر پڑھا:۔

عدو میرا نہ تو میرا نہ چرخ فتنہ جو میرا   شفق بن کر چڑھا ہے چرخ کے سر پر لہو میرا

شعر سنتے ہی مجلس پھڑک اٹھی۔ حکیم صاحب کھڑے ہوگئے اور تاباں صاحب کو گلے لگا لیا سائل صاحب شرمندہ تھے اور تاباں صاحب کا یہ حال تھا کہ فرط غضب سے آنکھیں سرخ تھیں۔ منھ سے کف جاری تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ پنکھا جھلا گیا پانی کے چھینٹے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیئے گئے ۔ جب ذرا حواس بجا ہوئے اور زبان قابو میں آئی تو سائل صاحب کو بے تحاشا گالیاں دینی شروع کیں ۔ سائل صاحب ہاتھ باندھ کر سر جھکائے ہوئے سب کچھ سنتے رہے ۔ آخر جب سائل بھول گیا اور تھک گئے تو فرمانے لگے کہ اس سے زیادہ گالیاں دینے کی مجھ میں طاقت نہیں لہذا چھوٹی کی ایک گالی اور دیتا ہوں کہ شہاب الدین کے نطفے سے تو نہیں یا ہیں نہیں۔

اسی طرح سائل صاحب کو ایک طبی سوال پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا تاکہ وہ تاباں صاحب کی موجودگی میں وہ سوال مجلس میں پیش کریں غرضکہ نواب سائل نے دوسرے وقت تاباں صاحب کی موجودگی میں . . . . حکیم صاحب کی طرف متوجہ ہو کر باادب عرض کیا کہ بھائی صاحب میں کئی روز سے ایک طبی مسئلے میں سخت متردد ہوں جس کو اگر آپ نے صحیح تسلیم کر لیا تو نہ صرف میری زندگی کا ایک اصول بدل جائیگا بلکہ دنیا پر ایک جدید حقیقت کا انکشاف ہوگا ۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے زمانہ ہوش سے آج تک اپنے بھائی کو باپ کی جگہ سمجھتا ہوں اور بیحد احترام کرتا ہوں ۔ مگر آج کے بعد بھائی صاحب کو اسی طرح میرا احترام کرنا ہوگا وہ مسئلہ یہ ہے کہ توام بچوں میں سے جو بعد میں پیدا ہوا وہ بڑا ہے کیونکہ استقرار تو اسی کا پہلے ہوا تھا۔ دوسرا اپنے مؤخر استقرار کی وجہ سے اس کی پیدائش میں حائل ہوا۔ حضرت تاباں سے اس کا جواب نہ بن پڑا ۔ برس پڑے ۔ گالیاں دینے لگے حاضرین مجلس اور حکیم صاحب منہ پھیر پھیر کر ہنستے تھے ۔ اور پھر سائل صاحب کے چست فقرے مزید ستم ڈھا رہے تھے کہ بھائیجان! اب تو آپ کو گالیاں دینے کا حق نہیں۔ اب تو آپ کو میرا احترام کرنا چاہئے کافی دیر تک دلچسپ گرما گرمی رہی۔ آخر میں حکیم صاحب نے استاد تاباں کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور سائل صاحب کو شکست ہوئی۔[1]

---

[1] حیات اجمل مؤلفہ شفاء الملک حکیم رشید احمد خاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم اجمل خاں کا انتقال ۲۸ر دسمبر ۱۹۲۷ء م ۱۳۴۶ھ میں بمقام رامپور ہوا۔ اور جنازہ دہلی لاکر درگاہ سید حسن رسولنما میں دفن کیا گیا۔

مؤلف حیات اجمل نے لکھا ہے کہ تاباں اور سائل دونوں توأم بھائی تھے اور اسی پر مؤخر الذکر واقعہ کی بنیاد ہے حالانکہ تاباں کی تاریخ پیدائش ۱۲۷۵ھ ہے اور ان کے بعد ان کے بھائی مرزا بہاء الدین طالب کی پیدائش ۱۲۷۹ھ کی ہے اور ان دونوں سے چھوٹے سائل صاحب ہیں جن کی تاریخ پیدائش ۱۲۸۰ھ کی ہے ان میں سے جوڑواں کوئی بھی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ حکیم صاحب کی محفل میں کچھ اسی قسم کا مذاق ہوا ہوگا جس کو مؤلف حیات اجمل نے واقعہ نفس الامر خیال کیا۔

نیز مؤلف حیات اجمل لکھتے ہیں کہ حکیم صاحب نے تاباں صاحب سے کچھ اردو کلام میں اور زیادہ تر فارسی کلام میں اصلاح لی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ غالباً اس بناء پر غلط فہمی ہوئی کہ حکیم صاحب ان کو استاد کہتے تھے۔ حکیم صاحب ہی نہیں بلکہ ان کو تمام ہم عصر لفظ "استاد" سے خطاب کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ تاباں صاحب نہایت معزز اور قابل فخر خاندان کے فرد تھے اور ایک ایسے اولوالعزم دادا کے پوتے تھے جس کا علم و فضل تمام ہندوستان میں مسلم تھا۔ اور خود بھی علوم مشرقیہ میں درک رکھتے تھے۔ ان تمام امور کے علاوہ نہایت مغلوب الغضب تھے جو شخص ان کو استاد نہ مانے اس سے ناراض ہوتے تھے اور جو ان کا کلام نہ سنے اس کو برا بھلا کہتے تھے اور جو ان کے کلام کی داد نہ دے اس کو جاہل کہتے تھے لوگ ان کی عادات سے واقف تھے اور خاندانی وقار کا بھی پاس تھا اس لئے اکثر لوگ ان کو استاد کہتے تھے

جناب سید اشتیاق حسین صاحب شوق نبیسۂ استاد ظہیر دہلوی حکیم اجمل خاں مرحوم کے مطب میں برسوں رہے ہیں اور سائل صاحب کے دولت خانہ پر ہی قیام رہتا ہے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے ہیں کہ حکیم صاحب کی مہارت اور قابلیت تمام اصناف فنون میں تاباں صاحب سے بدرجہا زائد تھی تاباں صاحب سے ان کا اصلاح لینا صحیح نہیں ہے۔

یادِ اجمل

از حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی یکے از تلامذۂ حضرت سائلؔ دہلوی

زمینِ ہند پر برپا قیامت خیز طوفاں ہے — لبوں پہ نالۂ شیون دلوں میں سوزِ ہجراں ہے
اسیرِ درد کی قسمت یہ ناکامی بھی خنداں ہے — یہ صورت دیکھکر دیدہ سیہ بختوں کا گریاں ہے
صدائے درد و غم بگرفتہ مشرق را و مغرب را
کہ ماوائے نماندہ مجد و فضل و حکمت و طب را

مسیح الملک جو سدرہ نشین عزم و ہمت تھا — سحابِ فیض کوہِ استقامت بحرِ حکمت تھا
وہ اجمل جو فروغ افزائے بزمِ دین و ملت تھا — مسلّم رہبرِ اعظم مسلمانوں کی قسمت تھا
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نوا سنجِ صداقت کو
ترستا ہے دلِ بیتاب اب عیش و مسرت کو

وہ اجمل آہ جو زینت وہ ایوانِ امکاں تھا — شرافت کے سما کے آسماں کا مہرِ تاباں تھا
وہ جس کے فیض سے دہلی کا خطہ اک خیاباں تھا — جدا ہم سے ہوا فردوسِ دہلی کا جو رضواں تھا
پیاپے آ رہی ہے یہ صدا شہرِ خموشاں سے
جو قابلِ ناز کے تھی لٹ گئی رونق گلستاں سے

وہ اجمل آہ جو کل تک رئیسِ بزمِ خُلّاں تھا — چراغِ زندگانی آہ کل جس کا فروزاں تھا
ہوا وہ آج رخصت جس پہ سارا ہند نازاں تھا — ہمارا ہم نوا، غمخوار، دردِ دل کا درماں تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقابِ خاک میں پنہاں فلک نے کر دیا اس کو
وطن سے دور جا کر موت کا ساغر دیا اس کو

جو کل تک جلوہ آرا تھا سریرِ علم و عرفاں پر کرم کی ضو فشانی کر رہا تھا چرخِ احساں پر
برابر کار فرما تھا ہمارے جسم اور جاں پر ترنم ریزیاں جو کر رہا تھا بزمِ امکاں پر
فلک کے جورِ بیجا نے کیا نذرِ فنا اس کو
چھپایا زیرِ خاک اس کو کیا ہم سے جدا اس کو

صدائیں گونجتی ہیں پی کہاں کی کوہساروں میں ترانے درد کے گاتی ہے بلبل مرغزاروں میں
چلی جاتی ہے زاری اشکباری آبشاروں میں سراپا حزن ہے اف زیر و بم بربط کے تاروں میں
نظر جس پر اٹھائی اس کو غم میں مبتلا پایا
زباں پر نام جب آیا تو غم ہی کا مزا پایا

کہاں ہو آہ! اے اجمل نگاہیں تم کو جویا ہیں تمہاری یاد میں مضطر تمہارے نام لیوا ہیں
در و دیوار سے آثار ویرانی ہویدا ہیں تسلی دو ہمیں آکر کہ ہم ماتم سراپا ہیں
سراسر خون شدہ ارماں ز چشمِ خوں فشاں ریزد
بیادت خوش بگریم خوں ز ہر اشکم فغاں ریزد

دعا ہے اب کہ جولانگاہ اجمل خلدِ اعلیٰ ہو دعا ہے اب کہ اجمل نغمہ سنجِ شاخِ طوبیٰ ہو
بروزِ حشر زیرِ سایۂ عرشِ معلیٰ ہو شہنشاہِ عرب کا قرب شاملِ لطفِ مولیٰ ہو
گہر ہائے سرشکم می فشانم بر مزارِ تو
بدارائے دو عالم می سپارم جملہ کارِ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام اخلاق و عادات | نواب صاحب مرحوم کی ذات گرامی اسلامی تہذیب و اخلاق کی حامل تھی چھوٹوں کے ساتھ محبت و شفقت ہم عصروں کے ساتھ اخوت و مودت علماء و صلحا کے ساتھ اخلاص و عقیدت ان کی خصوصیات تھیں۔

ہندوستان کے مشہور دار العلوم مدرسہ امینیہ دہلی کے جلسوں اور تقریبات میں نواب مرحوم ضرور شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اکثر نظمیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ امینیہ کی بنا حضرت مولانا امین الدین صاحب (المتوفی ۱۳۳۳ھ) نے ۱۳۱۵ھ میں رکھی تھی ان کے ساتھ نواب صاحب کو انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد مدرسہ امینیہ کا اہتمام راقم الحروف کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہم العالی کے سپرد ہوا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے ساتھ نواب صاحب مرحوم کو جو عقیدت تھی۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو باوجود آنکھیں جاتے رہنے کے پہچان لیتے تھے ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ حضرت مفتی صاحب کو آپ کس طرح پہچان لیتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بات بتانے کی نہیں ہے۔ میں نے اصرار کیا۔ فرمایا کہ میں مفتی صاحب کا عاشق ہوں۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دل کی آنکھوں سے پہچانتا ہوں۔ میری روح ان کے سامنے جھک جاتی ہے۔

کتب خانہ رحیمیہ کے سامنے رکشا کھڑی ہے۔ نواب صاحب رکشا میں تشریف رکھتے ہیں اور سگریٹ سے شوق فرما رہے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب تشریف لا رہے ہیں سگریٹ فوراً رکشا کے پیچھے پھینک دیا جاتا ہے معمول کے مطابق مزاج پرسی وغیرہ کے بعد مفتی صاحب تشریف لے جاتے ہیں۔ جو شخص موجود ہوتا ہے اس سے نواب صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب نے دیکھا تو نہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راقم الحروف سے بے انتہا محبت فرماتے تھے اور اکثر شام کو کتب خانہ رحیمیہ پر تشریف لاتے تھے۔ اور ۱۹۳۶ء سے جب سے کوڑھے اور ٹانگیں بالکل بیکار ہوگئی تھیں اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہوگئے تھے۔ روزانہ شام کو رکھشا میں تشریف لاتے تھے۔ یہ وضعداری اس پابندی کے ساتھ آخر وقت تک جاری رہی کہ آندھی اور مینہ کے باوجود ناغہ نہ کرتے تھے رکھشا کے ساتھ ایک کرسی رہتی تھی جس میں دونوں طرف دستے لگے ہوئے تھے۔ رکھشا سے کرسی پر کھسک آتے تھے کرسی کو دو آدمی اٹھا کر دکان کے تختے کے قریب لگادیتے تھے اسی طرح کھسک کر تختے پر بیٹھ جاتے تھے اور اکثر رکھشا میں ہی بیٹھے رہتے تھے۔ بعض ملاقاتی اور شاگرد وغیرہ بھی آجاتے تھے۔ کبھی ادبی مشغلہ کبھی اصلاح و تنقید اور کبھی مختلف موضوعوں پر گفتگو رہتی تھی۔

راقم الحروف کو اپنا مرشد زادہ فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میری زندگی کے یہی دو گھنٹے ہیں جن میں میں اپنے آپ کو زندہ تصور کرتا ہوں۔ میں عرض کرتا کہ یہی دو گھنٹے میری بھی سعادت و خوش نصیبی کے ہیں ایک روز جبکہ کتب خانے کے سامنے رکھشا میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب تشریف لائے مزاج پرسی کی۔ نواب صاحب آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب جی رہا ہوں اور راقم الحروف کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو میں کبھی کا مرچکا ہوتا اس بچے کے پاس دو گھڑی کے لئے آجاتا ہوں اور اسی وقت میں اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہوں۔

اس مدت میں ان کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا۔ فحش اور گالی کا تو وہم بھی نہ تھا۔ حالانکہ بعض ادبا گالی کو بھی ایک ادبی خدمت سمجھتے ہیں بعض لوگوں نے ان کے منہ پر گالیاں دیں مگر انھوں نے کبھی جواب نہ دیا۔

مرحوم کے بھتیجوں میں سے ایک ہونہار شاعر مرزا جمیل الدین عالی (بن نواب سراج الدین احمد خاں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مرحوم کے سامنے کہا کہ فلاں شخص آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ فرمایا کہ بیٹا! جب تم میری گود میں بیٹھ کر میری ڈاڑھی نوچتے تھے اور میں کبھی تم پر ناراض نہیں ہوا تو میں ان لوگوں کو کیا کہوں جو میری عیب چینی کرتے ہیں۔

نہایت وسیع الظرف فراخ دل اور سیر چشم تھے۔ انداز گفتگو شیریں اور دلچسپ ہوتا تھا۔ اسلامی تہذیب اور وضعداری کے دلدادہ تھے۔ اور ایسے رئیس سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے جو باوجود دولت مندی کے اسلامی شعائر کا پابند ہو۔

غالباً ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے کہ سی پی کے ایک نوجوان والی ریاست نواب عبدالوحید خاں غازی آف گوردھا دہلی آئے تھے۔ میں نے ان کو اور اُستاد مرحوم کو اپنے غریب خانے پر زحمت دی تھی بڑی دلچسپ محفل رہی اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے نوجوان رئیسوں میں اس شخص جیسا متدین اور متشرع رئیس نہیں دیکھا فرمایا کرتے تھے کہ ایسے لوگوں سے بھی میرا رابطہ رہا ہے جنہوں نے شراب کے حوض میں غوطے لگائے ہیں مگر میں نے ایک قطرہ شراب نہیں پی۔ حضرت نوح ناروی فرماتے ہیں کہ قیام حیدر آباد کے زمانے میں صرف دو شخص ایسے تھے جن کا کیرکٹر ریاستی تعیش کی فضا سے یکسر محفوظ رہا۔ ایک سائل دہلوی دوسرے احسن مارہروی۔

(باقی آئندہ)

مشکلات القرآن مدرسۃ احیاء العلوم مبارک پور کے رُوحِ رواں مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے قرآن مجید کی اہم اور مشکل آیات سے متعلق مضامین کا مجموعہ عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور طلبۂ قرآن پاک کے لئے خصوصاً یہ مضامین بہت زیادہ مفید ہیں ان میں سے بعض مضامین ترجمان القرآن الاصلاح۔ فاران (بجنور) برہان دہلی اور صدق لکھنؤ میں شائع ہو چکے ہیں۔ قیمت دو روپیہ

منیجر مکتبہ برہان اُردو بازار دہلی

© rasailojaraid.com